سماجی اصلاح میں عرف و عادت کے کردار کا تحقیقی جائزہ

جنید اکبر *
محمد کامران **

یہ بات مسلّم ہے کہ "عرف" دین اسلام کے معتبر مصادر میں سے ایک اہم مصدر ہے، اور تمام فقہاء کرام عرف سے استدلال کو جائز سمجھتے ہیں۔ مشہور فقہی قاعدہ ہے:

"الثابت بالعرف کالثابت بالنص"(۱)

دوسری طرف سماج سے برائیوں کو مٹانے اور ایک روادار معاشرے کو تشکیل دینے کے عمل کو اسلام بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ سماجی اصلاح کا دائرہ کار بڑا وسیع ہے، جس کے لیے متعدد وسائل کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ البتہ جو اصلاح ترغیب و ترھیب اور دعوت کے پیرائے میں وقوع پذیر ہو اس کے دور رس اور پختہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

سماجی اصلاح کے تمام وسائل اور اسالیب پر مختصر مقالہ میں تحقیق ممکن نہیں، اس لیے اس مقالہ میں اس کا صرف ایک پہلو "دعوت" کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ سماجی اصلاح کے لیے دی جانے والی دعوت اور تحریک کے کامیاب ہونے میں جن بنیادی محرکات کا عمل دخل ہے، اُن میں "عرف کی رعایت" کو بہت بڑا مقام حاصل ہے۔

اسلام مختلف امور کی اصلاح کی دعوت پر زور دیتا ہے، جن میں عقیدے کی اصلاح، معاملات کی اصلاح، معاشرت کی اصلاح، اخلاقیات کی اصلاح، اقتصادیات کی اصلاح اور سماجی اصلاح سرِفہرست ہیں۔ اور دینِ اسلام میں ہر قسم کی دعوت کا "عرف" کے اعتبار کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اِس لیے کہ عرف کے اعتبار کرنے سے دعوت کی عالم گیریت اُجاگر ہوتی ہے۔

لہٰذا "داعی" کے لیے ضروری ہے کہ وہ "مدعو" کے عرف، عادات اور اطوار سے بخوبی واقف ہو۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ و دینیہ، جامعہ ہری پور، پاکستان۔
** ایم فل سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ ملاکنڈ، پاکستان۔

جس قدر داعی کو عرف کے بارے میں واقفیت ہوگی، اُسی مقدار سے اُس کی دعوت کامیاب ہوگی اور جتنا وہ مدعو کے عرف سے بے خبر ہوگا، اتنا ہی اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بدلتے وقت کے تقاضوں اور مختلف اقدار کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرنے والے داعی کی تحریک کو معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور ہر طبقے کی طرف سے اُسے قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

اسلام کی دعوت ابتداء سے کامیابی کے ساتھ چلی آرہی ہے، لیکن موجودہ زمانے میں جس انتشار، باہمی تنازعات اور ہر طرف سے اعتراضات کے ساتھ داعیانِ اسلام مدِمقابل ہیں، اِن کی مثال تلاش کرنا مشکل ہے، اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ داعی کی دعوت اِس اہم مصدر کے بغیر جاری ہے۔

مذکورہ بالا تمہید سے سماجی اصلاح کے لیے دیئے جانے والی دعوت اور عرف کے باہمی تعلق کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔

اِس موضوع پر تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے "عرف" کا معنی سمجھنا چاہیے۔

عرف کا لغوی معنی

عین، راء اور فاء کا مادہ کلام عرب میں مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے،اِس کا ایک معنی تسلسل ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا(۲) یہاں متتابعات یعنی تسلسل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عُرف کلامِ عرب میں معرفت اور عرفان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ "عُرف" عین کے ضمہ کے ساتھ عادت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(۳) جبکہ عین کے فتحہ کے ساتھ اِس کا معنی صبر ہے۔(۴)

خلاصہ یہ کہ لغوی اعتبار سے "عرف" کا اطلاق متعدد معنوں میں ہوتا ہے جیسے: ۱۔واضح چیز ۲۔ معرفت ۳۔ بھلا اور پسندیدہ قول و عمل ۴۔ کسی کام کا مسلسل اور پے در پے ہونا

عرف کا اصطلاحی معنی

عرف اور عادت کے کئی معانی بیان کیۓ گئے ہیں، جن میں پسندیدہ معنی علامہ ابن نجیم حنفیؒ نے بیان کیا ہے:

> العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة(۵)
>
> عادت سے مراد وہ امور ہیں،جو بار بار دہرائی جانے کی وجہ سے سلیم فطرت لوگوں کے دلوں میں پختہ ہوجائیں، اور اُن کے ہاں مقبول ہوں۔

اِس تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عرف اور عادت اُن اقوال، افعال اور اخلاق کو کہتے ہیں، جو

لوگوں کے دلوں میں پختہ ہوگئے ہوں، اور فطرتِ سلیمہ نے اُس کو قبول کر لیا ہو۔

ابن عطیہؒ نے عرف کی یہ تعریف کی ہے:

كل ما عرفته النفوس مما لا ترده الشريعة (٦)

لوگوں کے ہاں وہ معروف چیز جو شرعاً مردود نہ ہو۔

اِس تعریف سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عرف کے لیے صرف لوگوں کے ہاں رواج پانا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ چیز شرعاً بھی ممنوع نہ ہو۔

علامہ بیریؒ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ نے عُرف کی یُوں تعریف کی ہیں:

العرف والعادة عبارة عما يستقر فى النفوس من الأمر المقبولة عند الطبائع السليمة(٧)

عرف اور عادت اُن باتوں اور امور کو کہا جاتا ہے، کہ جو طبیعت سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں، اور انہیں بار بار کرنے سے انسان کے اندر وہ جگہ پکڑیں۔

شریعتِ اسلامی میں عرف کا اعتبار

احکامِ شرعیہ میں عرف کا بڑا عمل دخل ہے، مشہور فقہی قاعدہ ہے: "العادة محكمة" (٨)

اِس قاعدہ کی تشریح کرتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے: "أي: معمول بها شرعا" (۹)

یعنی عادت اور عرف شرعاً معمول بہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وعاشروهن بالمعروف" (۱۰)

اور اِن (عورتوں) کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدۃ ہندؓ کو فرمایا تھا: "خذي ما يكفي وولدك بالمعروف" (۱۱)

امام بخاری نے اِس حدیث پر باب باندھا ہے:

"باب من أجرى أمر الأمصار على ما يتعارفون بينهم" (۱۲)

یعنی لوگوں کے باہمی معاملات، معروف عادات کے مطابق جاری ہونے کے بارے میں یہ باب ہے۔

علامہ عینیؒ اِس ترجمۃ الباب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وحاصل الكلام أن البخاري قصد بهذه الترجمة إثبات الاعتماد على العرف والعادة" (١٣)

اِس ترجمۃ الباب کے ذریعہ امام بخاریؒ عرف اور عادت پر اعتماد کو ثابت کرتے ہیں۔

عرف کی اہمیت کے بارے میں علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

"أن الله أحل البيع، ولم يبين كيفيته، فوجب الرجوع فيه إلى العرف"(١٤)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا، لیکن اُس کی کیفیت بیان نہیں کی، اِس لیے بیع کے بارے میں عرف کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ اثر بھی عرف وعادت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

"ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن"(١٥)

کہ جس بات کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں اسے اللہ تعالیٰ بھی پسند فرما لیتے ہیں۔

عرف کے معتبر ہونے کے بارے میں جمہور علماء کی رائے

حنفیہّ اور مالکیہ میں سے بہت سے حضرات کی رائے یہ ہے کہ عرف ان اصولوں میں سے ایک اصل ہے جس پر اُن احکام کی بنیاد رکھی جاتی ہے، جہاں کوئی نص نہ ہو۔حنفیہّ میں سے علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"واعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلا"(١٦)

یقینا عرف اور عادت کی طرف فقہ کے اکثر مسائل میں رجوع کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ علماء نے اِس کو مستقل اصلِ شرعی قرار دیا ہیں۔

علامہ سرخسیؒ سے مبسوط میں نقل کیا گیا ہے کہ:

" لأن الثابت بالعرف كالثابت بالنص "(١٧)

عرف سے ثابت ہونے والے حکم کی حیثیت نص سے ثابت ہونے والے حکم کے طرح ہوتا ہے۔

اِس کا مطلب یہ ہے، کہ جس طرح ایک قابلِ اعتماد دلیل ہے، اسی طرح جہاں نص نہ ہو، وہاں عرف اور عادت پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء کرام کے ہاں مشہور ہے، کہ:

"المعروف عرفا كالمشروط شرطا"(١٨)

اسی طرح کا ایک دوسرا قاعدہ بھی اُن کے مشہور ہے:

"التعيين بالعرف كالتعيين بالنص"(١٩)

اور اِن دونوں قاعدوں کا معنی تقریباً ایک جیسا ہے، کہ جہاں نص نہ ہو وہاں عرف مستقل دلیل ہے۔

اِس پوری تفصیل سے جہاں یہ بات ثابت ہو گئی، کہ عرف احکامِ شرعیہ میں مستقل دلیل ہے، وہاں یہ بات بھی ثابت ہو گئی، کہ منصوص علیہ مسائل میں عرف سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفیؒ فرماتے ہیں:

"وإنما العرف غير معتبر في المنصوص عليه"(٢٠)

یعنی منصوص علیہ مسائل میں عرف معتبر نہیں ہے، اِس لیے کہ ایسے تعامل کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جو نص کے خلاف ہو۔ علامہ شامیؒ نے "عُرف" کے معتبر ہونے کے بارے میں بڑا جاندار تبصرہ کیا ہیں، وہ فرماتے ہیں:

إذاخالف العرف الدليل الشرعي فإن خالفه من كل وجه بأن منه ترك النص، فلا شك في رده كتعارف الناس كثيرا من المحرمات من الربا وشرب الخمر ولبس الحرير والذهب وغير ذلك مما ورد تحريمه نصا، وإن لم يخالفه من كل وجه؛بأن ورد الدليل عاما والعرف خالفه في بعض أفراده أوكان الدليل قياسا فإن العرف معتبر إن كان عاما فإن العرف العام يصلح مخصصا كما مر عن التحرير ويترك به القياس كما صرحوا به في المسئلة الاستصناع- (۲۱)

"اگر عُرف دلیلِ شرعی کا اِس قدر مخالف ہو، کہ عُرف پر عمل کرنے کی صورت میں نص (دلیلِ شرعی) کو چھوڑنا لازم آرہا ہو، تو ایسی صورت میں عُرف کو چھوڑا جائے گا، اور نص پر عمل کیا جائے گا، جیسے کسی زمانے میں لوگوں کو سود کی عادت ہو، یا انہیں شراب پینے، ریشمی لباس پہننے یا اُن کے مردوں کو سونے کے زیورات استعمال کرنے کی عادت ہو۔ اِس لیے کہ اِن چیزوں کی صراحتاً حرمت نص سے ثابت ہے۔

اور اگر عُرف دلیل شرعی کی بالکلیہ مخالف نہ ہو، جیسے دلیلِ شرعی عام ہو، اور عُرف خاص ہو (یعنی عُرف بعض صورتوں میں نص کے مخالف ہو) تو ایسی صورت میں بعض فقہاء نے عُرف کے معتبر ہونے کا فتوی دیا ہیں۔ اور اگر عُرف عام ہو، اور دلیلِ شرعی خاص ہو تو ایسی صورت میں عُرف پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اگر دلیلِ شرعی قرآن، سنت اور اجماع کے بجائے قیاس ہو، تو پھر بھی عُرف کے مقابلے میں دلیل (قیاس) کو چھوڑا جائے گا، جیسے مسئلۃ الاستصناع وغیرہ میں۔"

داعی کے لیے عرف کی معرفت

کسی بھی معاشرے میں مختلف قسم کے لوگ رہتے ہیں، ہر طبقے اور قبیلہ کی مختلف عادات ہوتی ہیں۔ داعی کے لیے یہ بات انتہائی اہم ہے کہ وہ لوگوں کے عرف اور عادت سے واقف ہو، اُسے یہ اندازہ ہو کہ کون سی بات اِن کے ہاں مستحسن شمار کی جاتی ہے؟ اور کیا کیا چیزیں اِن کے ہاں معیوب سمجھی جاتی ہیں؟ اِن کی ضرورتوں سے باخبر ہو، اور اِن کے ذاتی رجحانات سے واقف ہو۔ یہی تجربہ داعی کے دعوت کو جاندار بنائے گا۔

داعی جس قدر اُن کے احوال سے باخبر ہوگا، اُس قدر اُس کی رائے درست ہو گی اور اُسے اہمیت دی جائے گی۔ اِس کے برعکس اگر داعی اِن حالات سے بے خبر ہوگا، تو اس کا نقصان بہت زیادہ ہوگا، اور لوگوں کو ناواقفیت کی وجہ سے مشقت اور حرج میں ڈالے گا۔

داعی کے لیے عرف کی پہچان مندرجہ ذیل دو بنیادی وجوہات کی بناپر ضروری ہے:

(۱) عرف اور عادت کے گہرے اثرات:

جب کسی معاشرے میں بعض عادتیں اور رسمیں عام ہو جاتی ہیں، تو اُن کے اثرات دل اور دماغ پر ایسے پختہ ہو جاتے ہیں کہ اُن کو دماغ سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے، اور اُن کی حیثیت ضروریاتِ زندگی کی طرح ہو جاتی ہیں، بلکہ وہ اُس معاشرے کے افراد کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہیں۔ فقہاء کے ہاں یہ قاعدہ مشہور ہے:

"العادة طبيعة ثانية"(۲۲)

یعنی جس طرح آدمی کھانے پینے، اندرونی جذبات اور طبیعت کے تقاضے پورے کرنے میں کوئی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں کرتا، بالکل اسی طرح عادت اور عرف کا ظہور بھی آدمی سے بغیر کسی مشقت کے ہوتا ہے۔

(۲) عادتوں کو تبدیل کرنا مشکل ہوتا ہے:

عادتوں کو تبدیل کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ فقہاء کرام کا مشہور مقولہ ہے:

"وفي نزع الناس عن عاداتهم حرج"(۲۳)

لوگوں کو اُن کی عادتوں سے ہٹانے میں بڑا خلل اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔

اگر کوئی بھی مصلح اور داعی اپنے مخاطبین سے ابتداء میں اُن کی عادت کے خلاف سخت احکامات کا مطالبہ کرے، تو اُس کی دعوت ہر گز کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو ارشاد ہے:

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ"(۲۴)

اِس آیت کی تشریح کرتے ہوئے سید قطب فرماتے ہیں:

خذ العفو الميسر الممكن من أخلاق الناس في المعاشرة والصحبة، ولا تطلب إليهم الكمال، ولا تكلفهم الشاق من الأخلاق. واعف عن أخطائهم وضعفهم ونقصهم(۲۵)

لوگوں کے اخلاقیات اور معاشرت میں سے جس قدر ممکن ہو، اُن کو قبول کرو، اور اُن سے کمال کا مطالبہ نہ کرو، نہ اُن کو اخلاقیات کے بارے میں مشقت میں ڈالو، اور اُن کی خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کیا کرو۔

اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے سید قطب آگے فرماتے ہیں:

"وكل أصحاب الدعوة مأمورون بما أمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم. فالتعامل مع النفوس البشرية لهدايتها يقتضي سعة صدر، وسماحة طبع، ويسراً وتيسيراً في غير تهاون ولا تفريط في دين الله"(٢٦)

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرح ہر داعی کو یہی حکم ہے۔اخلاقیات اور سماجی اصلاح میں انسانوں کی ہدایت کے لیے اُن کے ساتھ وسعتِ صدری، معافی اور آسانی کی روش اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں کمی کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عرف کی معرفت کے لیے چند چیزوں کی معرفت ضروری ہوتی ہے:

(ا) ماحول اور واقع کی سمجھ:

یہ بات انتہائی اہم ہے کہ داعی لوگوں کے ماحول اور حالات سے بخوبی واقف ہو، لہٰذا وہ سب سے پہلے "مدعو" کے ماحول کا مطالعہ کرے۔مدعو کے دینی، ثقافتی، نفسیاتی، اقتصادی اور اجتماعی حالات سے باخبر ہونا دعوتی مشن میں کامیابی کی پہلی ضمانت ہے۔

داعی اُس معاشرے کے عادات، تقالید، اخلاق اور اُن مشکلات سے واقف ہو، جو اُس معاشرے میں موجود ہوں۔اُسے علم ہو کہ لوگوں کے ذہن میں کیا کیا اشکالات ہیں؟ لوگ کن کن بدعات میں اور رسومات میں مبتلا ہیں؟ اِس لیے کہ داعی اُس وقت تک اپنی دعوت کے لیے صحیح لائحہ عمل تجویز نہیں کرسکتا، جب تک وہ معاشرے کی خصوصیات سے واقف نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے فیصلہ کرنے والے مفتی اور قاضی میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے، اُن میں ایک شرط عرف اور عادت سے واقف ہونا بھی ہے، اسی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے فیصلے قضاء کے

معاملہ میں معتبر اور راجح ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"یفتی بقول أبي یوسف فیما یتعلق بالقضاء لکونه جرّب الوقائع وعرف أحوال الناس"(۲۷)

قضاء کے معاملات میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا جائے، اِس لیے کہ انہیں نئے نئے واقعات کا تجربہ تھا اور وہ لوگوں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے، کہ لوگوں کی عادتیں زمان اور مکان کے بدلنے سے تبدیل ہو جاتی ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے آپ کے دونوں شاگردوں نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"لو کان أبوحنیفة رأی ما رأوا لأفتی به"(۲۸)

اِس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ اختلاف دلیل کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ زمانے اور عرف کی بنیاد پر تھا۔

امام شافعیؒ سے اکثر احکام کے بارے میں دو قسم کے اقوال منقول ہیں: ایک قولِ قدیم، اور دوسرا قولِ جدید۔ اور اِس کی وجہ یہ ہے، کہ "عراق" کا ماحول "مصر" کے ماحول اور عرف سے الگ تھا۔

مفتی ثناء اللہ لکھتے ہیں:

"والشافعي –رحمه الله– لما هبط إلی مصر غیّر بعض الأحکام التي کان قد ذهب إلیها وهو في بغداد لتغیّر العرف"(۲۹)

علامہ ابن قیمؒ زمانے اور عرف کے سمجھنے کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ینبغي له أن یکون فقیها في معرفة مکر الناس وخداعهم واحتیالهم وعوائدهم وعرفیاتهم، فإن الفتوی تتغیر بتغیر الزمان والمکان والعوائد والأحوال، وذلك کله من دین الله"(۳۰)

مفتی اور فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے مکروفریب، اُن کے دھوکوں، حیلوں بہانوں، عادات اور عرف سے پوری طرح واقف ہو، کیونکہ فتوی زمان ومکان، عادات اور احوال کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ اور اِن تمام چیزوں سے واقف ہونا بھی دین کا حصہ ہے۔

دعوت الی اللہ کے لیے ماحول کو سمجھنا جتنا اہم ہے، اتنا ہی آج کل دعاۃ اُس سے بے خبر ہیں اور اِس پہلو

سے کافی غفلت برتی جاتی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ دعوت کے ماحول کی بہت اہتمام کے ساتھ رعایت رکھتے تھے اور داعیوں کو معاشرے اور ماحول کی خصوصیات سمجھاتے رہتے تھے۔

جس وقت حضرت معاذؓ کو یمن بھیج رہے تھے، تو انہیں یمن کے ماحول کے بارے میں فرمایا:

"إنك ستأتي قوما أهل كتاب"(۳۱)

حافظ ابن حجرؒ اس جملہ کا مقصد بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هي كالتوطئة للوصية لتستجمع همته عليها لكون أهل الكتاب أهل علم في الجملة فلا تكون العناية في مخاطبتهم كمخاطبة الجهال من عبدة الأوثان"(۳۲)

یہ جملہ اِن وصیتوں کے لیے بطورِ تمہید کے ارشاد فرمایا، تاکہ حضرت معاذؓ اپنا حوصلہ بلند رکھیں، اِس لیے کہ اہلِ کتاب کچھ نہ کچھ اہلِ علم تھے، تو اُن کو دعوت دینے کا انداز جاہل مشرکین کو دعوت دینے کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔

واقع اور ماحول سے باخبر ہونے کے دو فائدے ہیں:

۱. داعی مدعو کے حالات کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی دعوت کو جاری رکھے گا۔

۲. داعی مدعو کے ساتھ ایسے طریقہ سے مخاطب ہوگا، جو اُن کے مزاج اور حالات کے موافق ہو۔

داعی طبیب کی طرح معاشرے کی برائیوں کا علاج کرتا ہے، لہٰذا وہ کسی مرض کا علاج تب ہی کر سکتا ہے، جب وہ اُس سے پوری طرح واقف ہو۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"ومن أفتى الناس بمجرد المنقول في الكتب على اختلاف عرفهم وعوائدهم وأزمنتهم وأمكنتهم وأحوالهم وقرائن أحوالهم فقد ضل وأضل"(۳۳)

جس آدمی نے لوگوں کے عرف، عادات، زمانے، مکان، حالات اور قرائن سے ناواقف ہونے کے باوجود صرف کتابوں کی بنا پر فتویٰ دیا، تو وہ خود بھی گمراہ ہے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے۔

(۲) مدعو کے بارے میں پیشگی معلومات:

ہر آدمی کی اپنی الگ صفات، ترجیحات اور افکار ہوتے ہیں، علمی مرتبہ اور مزاج میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے، داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مدعو کے بارے میں اِس قسم کی ضروری معلومات سے آراستہ ہو، اور دعوت دیتے وقت اُن حالات کی رعایت رکھے، تاکہ اُسے سمجھانے کے لیے آسان اور مناسب طریقہ اپنا سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب نجران کے پادریوں کو دعوت دی، تو اُس میں اُن کے نصرانی ہونے کا لحاظ

رکھا کیونکہ وہ یہ ایک آسمانی مذہب کے ماننے والے تھے، اور خط کی ابتداء میں لکھا:

"باسم إله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، من محمد النبي رسول الله إلى أسقف نجران"(٣٤)

عدیؓ ابن حاتم کو جب اسلام کی دعوت دے رہے تھے، تو انہوں نے کہا: "میں ایک دین کو ماننے والا ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہارے دین کو جانتا ہوں۔" عدیؓ نے فرمایا: کیا آپ ﷺ میرے دین کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو؟! آپ ﷺ نے فرمایا:

"نعم، ألست من الركوسية وأنت تأكل مرباع قومك؟ قلت بلى، قال فان هذا لا يحل لك في دينك، قال فلم يعد أن قالها فتواضعت لها"(٣٥)

ہاں جانتا ہوں۔ کیا تم "رکوسیۃ" دین کو ماننے والے نہیں ہوں، کیا تم اپنی قوم کے مالِ غنیمت کا ربع خود نہیں کھاتے ؟انہوں نے کہا: ہاں کھاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا کرنا تو تمہارے دین بھی حلال نہیں ہے۔ عدیؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کو دوبارہ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی، اِس لیے کہ میں اسلام کی طرف مائل ہوگیا۔

اِس واقعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مدعوین کے حالات اور عقائد کا کس قدر اندازہ ہوتا تھا۔

داعی کے لیے مخاطب کے مزاج سے واقف ہونا انتہائی اہم ہے، اور دعوت کی کامیابی میں اِس واقفیت کا بڑا عمل دخل ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے سامنے قریشِ مکہ کے ہر قاصد کی الگ الگ صفات بیان کیں، اور ہر ایک کے ساتھ اُس کے مزاج کے موافق معاملہ فرمایا۔

جس وقت قریش نے قبیلۂ کنانہ کے ایک آدمی کو بطورِ قاصد بھیجا، تو آپ ﷺ نے اُسے دور سے دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"هذا فلان وهو من قوم يعظمون البُدن فابعثوها له"(٣٦)

یہ فلاں ہے، اِس کی قوم قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتی ہے، لہٰذا اِن جانوروں کو اِس کے سامنے لے آؤ۔ اُس آدمی نے جانوروں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"سبحان الله لا ينبغي لهؤلاء أن يصدوا عن البيت"(٣٧)

سبحان اللہ ! اِن لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا مناسب ہی نہیں۔

کچھ دیر بعد مکرز بن حفص آئے، تو آپ ﷺ نے صحابہ کو فرمایا:

"هذا مكرز بن حفص، وهو رجل فاجر"(۳۸)

یہ مکرز بن حفص فاجر آدمی ہے۔

اور جب سہیل بن عمرو آئے، تو آپ ﷺ نے صحابہ کو فرمایا: "لقد سهّل لكم من أمركم"(۳۹) اب تمہارا کام آسان ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے: "قد أرادت قريش الصلح حين بعثت هذا"(۴۰) سہیل بن عمرو کو بھیج کر قریش نے صلح کا ارادہ کیا۔

لوگوں کے مزاج سے واقف ہونا دعوت کی مقبولیت میں انتہائی اہم ہے، اگر کوئی آدمی سماجی اصلاح کا ارادہ رکھتا ہو، لیکن وہ لوگوں کے عادات اور مزاجوں سے واقف نہ ہو، یا واقف تو ہو، لیکن اُن کی رعایت نہ رکھے، تو اُس کی کوشش ہر گز بارآور نہیں ہو سکتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"إنما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصل، فيها ذكر الجنة والنار، حتى إذا ثاب الناس إلى الإسلام نزل الحلال والحرام، ولو نزل أول شيء: لا تشربوا الخمر، لقالوا: لا ندع الخمر أبدا، ولو نزل: لا تزنوا، لقالوا: لا ندع الزنا أبدا"(٤١)

قرآن مجید کی پہلی نازل ہونی والی سورت مفصلات میں سے تھی، جن میں جنت اور جہنم کا تذکرہ تھا۔ جب لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے، تو حلال اور حرام کے احکامات آنے لگے۔ اگر سب سے پہلے یہ بات نازل ہوتی، کہ شراب نہ پیو، یا زنا نہ کرو، تو شائد لوگ شراب اور زنا سے اتنی جلدی باز نہ آتے۔

لوگوں میں بعض عادتیں اتنی پختہ ہو جاتی ہیں، کہ اُن کو دور کرنے کے لیے اِسی طرح تدریجی طریقہ اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا، اِس لیے اسلام نے اپنی دعوت میں یہی روش اپنائی، اور یہی اِس دعوتِ اسلام کی مقبولیت کی بڑی وجہ ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابو یحیٰی زکریا بن محمد السنیکی اِس روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حتى إذا ثاب الناس أي: رجعوا. إلى الإسلام نزل الحلال والحرام لاقتضاء الحكمة الإلهية في ترتيب النزول على ما ذكر حيث نزل أولًا الدعاء إلى التوحيد والتبشير

للمؤمنين بالجنة، والتخويف للكافرين بالنار، فلما اطمأنت النفوس على ذلك أنزلت الأحكام ولهذا قالت عائشة: ولو نزل أول شيء: لا تشربوا الخمر إلى آخره لانطباع النفوس على النفرة عن ترك المألوف"(٤٢)

لوگوں کے اسلام لانے کے بعد حلال اور حرام کے احکامات نازل ہوئے، کیونکہ احکامات نازل ہونے میں حکمتِ الٰہیہ کا تقاضہ یہ تھا، کہ پہلے توحید کی طرف دعوت اور جنت، جہنم کی بشارتیں اور وعیدیں سنائی جائے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اسلام پختہ ہو گیا، تو باقی احکامات نازل ہونے لگیں۔ اِسی تناظر میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "کہ اگر شراب کی حرمت پہلے نازل ہوتی، تو لوگ اتنی جلدی نہ رُکتے، اِس لیے کہ مانوس چیز کو چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

(۳) معاشرے کے واقعی و حقیقی مسائل کی پہچان:

معاشرے کے حقیقی امراض اور مسائل کی پہچان عرف کا لازمی جزو ہے۔ تاکہ داعی حکمت سے اُن کے حل کے لیے لائحۂ عمل طے کر سکے، انبیاء علیہ السلام کی دعوت کا مزاج یہی تھا۔ شعیب علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ"(٤٣)

اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"كانوا مع كفرهم أهل بخس وتطفيف"(٤٤)

یہ لوگ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی بھی کرتے تھے۔

شعیب علیہ السلام قوم میں پھیلے ہوئے مرض کا ادراک کرکے توحید کے بعد اپنی قوم کے ناپ تول میں کمی کے سد باب کی طرف متوجہ ہوئے۔ مشہور مصری عالم سید قطبؒ اِس مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومع الدعوة إلى عقيدة التوحيد قضية أخرى، هي قضية الأمانة والعدالة في التعامل بين الناس"(٤٥)

شعیب علیہ السلام کے سامنے توحید کی دعوت کے علاوہ دوسرا اہم مسئلہ لوگوں کے ساتھ معاملات میں انصاف اور امانت کا مسئلہ تھا۔

لوط علیہ السلام کی قوم میں مختلف قسم کی اخلاقی برائیاں عام تھیں، تو آپؑ نے اپنی قوم کی اُن اخلاقی برائیوں کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھی اور اُن کی اصلاح میں لگے رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ"(٤٦)

اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اُس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہاں کے کسی شخص نے نہیں کی؟

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"يدعوهم إلى الله، عز وجل، ويأمرهم بالمعروف وينهاهم عما كانوا يرتكبونه من المآثم والمحارم والفواحش التي اخترعوها، لم يسبقهم بها أحد من بني آدم ولا غيرهم "(٤٧)

لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، انہیں نیکی کا حکم کیا، اور اُن گناہوں، حرام کاموں اور بے حیائیوں سے انہیں روکا، جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔ ایسی بے حیائیاں جن کا ارتکاب آج تک نہ انسانوں نے کیا تھا، اور نہ کسی اور نے۔

اِن تمام نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ داعی اُن مسائل کی طرف زیادہ توجہ دے گا، جو اُس معاشرے میں موجود ہو۔

ایسے امراض اور مسائل جن کا معاشرے میں سرے سے وجود ہی نہ ہو، یا بہت کم ہو، اُن کی طرف متوجہ ہونے سے نہ صرف داعی کے مشن کی ناکامی کا خطرہ ہے بلکہ اس کے دیگر دو بڑے نقصانات بھی مرتب ہوتے ہیں:

۱. ایسے مسائل جن کا وجود ہی نہ ہو، اُن کے تذکرے سے وہی مسائل معاشرے میں سر اٹھانے لگتے ہیں۔

۲. ایسے مسائل کی طرف متوجہ ہونے سے اصل مسائل سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

نتائج اور گزارشات

جن عادتوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار نہ دیا ہو، اُن کی رعایت رکھنا اصلاح کے لیے انتہائی ضروری ہے، عرف کو سامنے رکھ کر جو اصلاح کی جائے گی وہ سطحی اور ناکام نہیں ہوگی بلکہ پائیدار اور پختہ ہوگی۔

اِس مضمون سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱. دعوت الی اللہ دینِ اسلام کی بنیادی خصوصیات میں سے ہے، انبیاء علیہم السلام کی تحریک کا بنیادی منہج دعوت الی اللہ ہے۔

۲. عرف اور عادت اُن اقوال، افعال اور اخلاق کو کہتے ہیں، جو لوگوں کے دلوں میں پختہ ہوگئے ہوں، اور فطرتِ سلیمہ اُس کو قبول کرے۔

۳. عرف وہاں معتبر ہوتا ہے، جہاں نص نہ ہو، اور جو احکام منصوص علیہ ہوں، وہاں عرف اور عادت معتبر نہیں ہوگا۔

۴. داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ "مدعو" کے عرف، عادات اور اطوار سے بخوبی واقف ہو۔ جس قدر داعی کو عرف کے بارے میں واقفیت ہوگی، اُسی مقدار سے اُس کی دعوت کامیاب ہوگی، اور جتنا مدعو کے عرف سے بے خبر ہوگا، اتنا ہی اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۵. داعی اُس وقت تک اپنی دعوت کے لیے صحیح لائحہ عمل تجویز نہیں کرسکتا، جب تک وہ معاشرے کے خصوصیات سے واقف نہ ہو۔

۶. صاحبینؒ کا اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ بعض مسائل میں اختلاف، زمانے اور عرف کے اختلاف پر مبنی تھا۔

۷. لوگوں کے عرف، عادات، زمانے، مکان، حالات اور قرائن سے ناواقف ہونے کے باوجود صرف کتابوں کی بنا پر فتوی دینا گمراہی ہے۔

۸. لوگوں میں بعض بُری عادتیں اتنی پختہ ہوجاتی ہیں، کہ اُن کو دور کرنے کے لیے تدریجی طریقہ اختیار کرنا ہی شریعتِ اسلامی کا مزاج ہے۔

۹. داعی کے ضروری ہے، کہ وہ معاشرے کے حقیقی امراض اور مسائل کو پہچانے، اور حکمت سے اُن کے حل کے لیے لائحۂ عمل طے کرے، انبیاء علیہ السلام کی دعوت کا مزاج یہی تھا۔

۱۰. ایسے مسائل جن کا وجود ہی نہ ہو، اُن کے تذکرے سے وہی مسائل معاشرے میں سر اٹھانے لگتے ہیں۔

۱۱. غیر متعلقہ مسائل کی طرف متوجہ ہونے سے حقیقی مسائل سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

اصلاح معاشرہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی افادیت تب ہی ممکن ہے، جب دعوت کے دیگر اصولوں کے ساتھ ساتھ "عرف وعادت" کی رعایت کو یقینی بنایا جائے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) الزحیلی محمد مصطفیٰ، القواعد الفقهية وتطبيقا تها فی المذاهب الاربعة، دارالفکر، دمشق، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ج۱ ص۳۴۵

(۲) سورۃالمرسلات:۱

(۳) ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم، ادب الکاتب، مؤسسۃالرسالۃ، بیروت، ج۱ص۲۶

(۴) قزوینی، ابوالحسین احمد بن فارس، مقاییس اللغة، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ج۴ص۲۸۱

(۵) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباه والنظائر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء، ج۱ص۹۷

(۶) المرداوی، علاء الدین علی بن سلیمان، التحبير شرح التحرير، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ج۸ ص۱۱۵

(۷) الشامی، محمد امین ابن عابدین، نشر العرف، مرکز البحوث الاسلامیۃ، مردان، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء، ص ۶۴

(۸) السبکی، تاج الدین بن تقی الدین، الاشباه والنظائر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ج۱ص ۱۲

(۹) التحبير شرح التحرير، ج۸ص۱۱۵

(۱۰) سورۃالنساء: ۱۹

(۱۱) صحيح البخاری، رقم: ۵۳۶۴

(۱۲) صحيح البخاری، ج۳ص۷۸

(۱۳) عینی، بدرالدین محمود بن احمد، عمدة القاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج۱۲ص۱۶

(۱۴) ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد المقدسی، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، ۱۳۳۸ھ/۱۹۶۸ء، ج۳ص۴۸۱
(۱۵) ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبیؒ، الاستذکار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ج۸ص ۱۳
(۱۶) ابن نجیم،زین الدین بن ابراہیم المصری، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء، ج۱ص۷۹
(۱۷) السرخسی، شمس الائمہ محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء، ج۳۰ص ۲۲۰
(۱۸) مجلة الأحكام العدلية، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ص۲۱، المادۃ: ۴۳
(۱۹) ایضا، المادۃ: ۴۵
(۲۰) الأشباه والنظائر، ص۸۰
(۲۱) ابن عابدین، نشر العرف، مرکز البحوث الاسلامیۃ، مردان، ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء، ص۶۱
(۲۲) القواعدالفقهية وتطبيقاتهافی المذاهب الاربعة، ج۱ص۳۰۱
(۲۳) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم المصری، البحرالرائق، دار الکتاب الاسلامی، بیروت، ج۵ص ۳۲۵
(۲۴) سورۃ الاعراف: ۱۹۹
(۲۵) سید قطب، ابرہیم حسین الشاربی، فی ظلال القرآن، دار الشروق، بیروت، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲، ج۳ص ۲۴۳
(۲۶) ایضا
(۲۷) نشر العرف، ص۱۵۲
(۲۸) حوالہ بالا
(۲۹) مفتی ثناء اللہ بن فضل اللہ، مقدمہ نشر العرف، مرکز البحوث الاسلامیۃ، مردان، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء، ص۳۸
(۳۰) ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر الجوزیۃ، اعلام الموقعین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ج۴ص۱۵۷
(۳۱) صحیح البخاری، رقم: ۱۴۹۶
(۳۲) ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، ج۳ص ۳۵۸
(۳۳) اعلام الموقعین، ج۳ص۶۶

(۳۴) ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، سیرۃ ابن کثیر، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۶ء، ج۴ ص۱۰۱
(۳۵) امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسنداحمد، مؤسسۃالرسالۃ، بیروت، ج۳۰ ص۱۹۶، رقم: ۱۸۲۶۰
(۳۶) عبد الرزاق، ابوبکر بن ہمام الحمیری، المصنف، المجلس العلمی، بھارت، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء، ج۵ ص۳۳۰، رقم: ۹۷۲۰
(۳۷) ابن حبان، ابوحاتم محمد بن حبان الدارمی، صحیح ابن حبان، مؤسسۃالرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، ج۱۱ ص۲۱۶، رقم: ۴۸۷۲
(۳۸) البیہقی، ابوبکراحمد بن الحسین الخراسانی، السنن الکبریٰ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، ج۹ ص۳۶۶، رقم: ۱۸۸۰۷
(۳۹) صحیح البخاری، رقم: ۲۷۳۱
(۴۰) فتح الباری، ج۵ ص۳۴۲
(۴۱) صحیح البخاری، رقم: ۴۹۹۳
(۴۲) السنیکی، زکریا بن محمد الانصاری، منحۃ الباری، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، ج۸ ص۲۸۵
(۴۳) سورۃ ھود: ۸۵
(۴۴) قرطبیؒ، شمس الدین محمد بن احمد الخزرجی، تفسیرالقرطبی، دارالکتب المصریۃ، قاہرہ، ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء، ج۹ ص۸۵
(۴۵) فی ظلال القرآن، ج۴ ص۸۷
(۴۶) سورۃ الاعراف: ۸۰
(۴۷) ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر، دارالطیبۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، ج۳ ص۴۴۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆